

منعة الطلاق کے احکام و مسائل

منعة یا مناع، عربی زبان میں، ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی بھی قسم کا فائدہ یا منفعت حاصل کی جاسکے: کل ما يستفیع به علی وجه ما فهو مناع ومنعة (۱) اسلامی شریعت میں منعة الطلاق سے مراد وہ مالی فائدہ ہے جو طلاق یافتہ عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے حق کی صورت میں ملتا ہے۔ ذیل میں اس مسئلے کے بعض اہم پہلوؤں کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

منعة الطلاق کی حکمت

حسن معاشرت کی بنیاد، عقل عام اور دین کی رو سے، ایثار و قربانی، اعلیٰ اخلاق اور تعاون باہمی کے جذبے پر ہے۔ دین کی تعلیم یہ ہے کہ انسان زندگی کے تمام معاملات میں حسن اخلاق، مروت، رواداری اور شائستگی کا مظاہرہ کرے، حتیٰ کہ معاملہ اگر تعلق توڑنے کا بھی ہو تو اسے بھی اس طرح عمدگی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا جائے کہ ناگزیر طور پر پیدا ہونے والی رنجشوں کے اثرات کو کم سے کم کیا جاسکے۔

یہی صورت نکاح کے معاملات میں ہے۔ قرآن مجید مرد کو، اس کی فطری صلاحیتوں اور معاشی ذمہ داریوں کی بنا پر، خاندان کا قوام اور سربراہ قرار دیتا ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم (النساء ۳۴)

مرد اپنی بیویوں کے سربراہ ہیں کیونکہ اللہ نے انہیں ان کی بیویوں پر فضیلت دی ہے اور وہ اپنے مال بھی (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔

اس فضیلت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ قرآن مجید خانگی امور میں مرد کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ

(۱) راغب، المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۶۱۔ ابن الاثیر، التہایہ فی غریب الحدیث والاشراج، ج ۴، ص ۲۹۳

اس پہلو سے اس کو عورت پر ایک درجے کی فضیلت حاصل ہے:

واللرجال علیہن درجۃ (البقرہ ۲۲۸)
اور مردوں کو اپنی بیویوں پر ایک درجے کی فضیلت حاصل ہے۔

لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ اپنے برتاؤ اور رویے میں بھی مردانگی اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کرے اور نفوت اور بلند کرداری کا یہ مظاہرہ قیام نکاح کی حالت میں ہی نہیں بلکہ اس صورت میں بھی ہونا چاہئے جب کسی وجہ سے رشتہ نکاح کا قائم رکھنا ممکن نہ رہے اور اسے توڑنے کی نوبت آجائے۔ چنانچہ قرآن مجید اس حالت میں تسریح باحسان اور مفارقتہ بالمعروف کی خاص طور سے تاکید کرتا ہے:

الطلاق مرتان فامساک بمعروف او
تسریح باحسان (البقرہ ۲۲۹)
(رجعی) طلاق دینے کا حق دو دفعہ ہے۔ اس کے
بعد یا تو دستور کے موافق بیوی کو رکھ لیا جائے یا
خوش اسلوبی سے اسے چھوڑ دیا جائے۔
فامسکوهن بمعروف او فارقوهن
بمعروف (الطلاق ۲)
اپنی بیویوں کو دستور کے موافق نکاح میں رکھو یا
دستوری کے موافق ان کو چھوڑ دو۔

ہمارے نزدیک طلاق کی صورت میں عورت کو ححدہ دینے کا حکم بھی اس تسریح باحسان کی فرع ہے۔
قرآن مجید نے تسریح باحسان کے حکم کی جو تفصیل کی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ طلاق دینے کے بعد عورت کی عدت کو طویل تر کرنے اور اس کو تنگ کرنے کی غرض سے رجوع نہ کیا جائے:
ولا تمسکوهن ضرارا تعتدوا و من
یفعل ذالک فقد ظلم نفسه
(الطلاق کے بعد) اپنی بیویوں کو تنگ کرنے اور حد
سے تجاوز کرنے کے لیے ان کو مت روکو۔ جو ایسا
کرتا ہے، یقیناً وہ اپنی جان پر بڑا ظلم ڈھاتا ہے۔
(البقرہ ۲۳۱)

۲۔ مرد نے نکاح کے وقت یا اس کے بعد جو بھی مال عورت کو دیا ہے، وہ واپس نہ لیا جائے چاہے وہ کتنا ہی
زیادہ ہو:

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج
وانتیم احدھن فطارا فلا تاخذوا
منہ شیعا اتاخذونہ بہتاتاً وانما مبینا
وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم
اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرنا
چاہے ہو اور پہلی بیوی کو تم نے ذمہ مال دے
رکھا ہے تو اب اس سے کچھ بھی واپس مت لو۔ کیا
تم بہتان لگا کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے مال

الی بعض واحذن منکم میثاقا غلیظا
واپس لیتے ہو؟ اور تم کیسے یہ مال واپس لے سکتے
ہو جبکہ تمہارے ایک دوسرے سے ازدواجی
تعلقات رہے ہیں اور (نکاح کے وقت) تمہاری
بیویوں نے تم سے (وفا داری کا) نہایت مضبوط
پیمان لیا تھا۔

۳۔ مہر کی ادائیگی میں مرد وسعت قلبی اور ایثار کا مظاہرہ کرے:

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن
وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما
فرضتم الا ان يعفون او يعفوا الذي
بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب
للتقوى ولا تنسوا الفضل بينكم
اور اگر تم اپنی بیویوں کو ہم بستری سے پہلے طلاق
دے دو اور ان کے مہر کی مقدار تم نے طے کر رکھی
ہو تو اب (طلاق کی صورت میں) انہیں طے شدہ
مہر کا نصف ادا کرو۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو
تم سارا مہر رکھ سکتے ہو) یا اگر (خاوند) جس کے
ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، وسعت قلبی کا مظاہرہ
کرے (تو عورت سارا مہر بھی لے سکتی ہے) اور
تم شوہروں کا ایثار کرنا ہی تقویٰ کے زیادہ قریب
ہے۔ اور اللہ نے تمہیں جو فضیلت دی ہے، اس کو
فرا موش نہ کرو۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”قرآن نے مرد کو اسلایا ہے کہ اس کی فتوت اور مردانہ بلند حوصلگی اور اس کے درجے مرتبے کا تقاضا یہ ہے کہ
وہ عورت سے اپنے حق کی دست برداری کا خواہش مند نہ ہو بلکہ اس میدان ایثار میں خود آگے بڑھے۔ اس ایثار کے
لیے قرآن نے یہاں مرد کو تین پہلوؤں سے ابھارا ہے۔ ایک تو یہ کہ مرد کو خدا نے یہ فضیلت بخشی ہے کہ وہ نکاح کی گرہ کو
جس طرح باندھنے کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح اس کو کھولنے کا بھی مجاز ہے۔ دوسرا یہ کہ ایثار و قربانی جو تقویٰ کے اعلیٰ
ترین اوصاف میں سے ہے، وہ جنس ضعیف کے مقابل میں جنس قوی کے شایان شان زیادہ ہے۔ تیسرا یہ کہ مرد کو خدا

نے اس کی ملاجیتوں کے اعتبار سے عورت پر جو ایک درجہ ترجیح کا بخشا ہے اور جس کے سبب سے اس کو عورت کا قوام اور سربراہ بنایا ہے، یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے جس کو عورت کے ساتھ کوئی معاملہ کرتے وقت مرد کو بھولنا نہیں چاہئے۔ اس فضیلت کا فطری تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت سے لینے والی باتیں بلکہ اس کو دینے والا ہے۔“ (۲)

۴۔ بیوہ عورت کی عدت اگر چہ چار ماہ دس دن ہے، لیکن خاوند اگر قریب الوفا ہو تو وہ اپنے اہل خانہ کو وصیت کر جائے کہ وہ اس کی وفات کے بعد ایک سال تک بیوہ کو اسی گھر میں رہنے دیں:

والذین يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لازواجهم مناعا الى الحول غير اخراج (البقرہ ۲۴۰)

اور تم میں سے جو مرد فوت ہو جائیں اور اپنے پیچھے بیوہ چھوڑ کر جا رہے ہوں تو وہ ان کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نکالے بغیر اسی گھر میں رہنے کی ہولت دی جائے۔

۵۔ طلاق کی صورت میں عورت کی دل جوئی اور اس کے غم کو کم سے کم کرنے کے لیے خاوند مہر اور نفقہ کی لازمی ادائیگیوں کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی چیز بطور تحفہ عورت کو دے:

وللمطلقات متاع بالمعروف - حقا علی المتقين (البقرہ ۲۴۱)

اور اپنی مطلقہ عورتوں کو دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کرو۔ یہ اہل تقویٰ پر لازم ہے۔

يا ايها النبي قل لازواجك ان كنتن تردن الحيلة الدنيا وزينتها فتعالين امتنعن واسرحكن سراحا جميلا (الاحزاب ۲۸)

اے نبی، آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی آسائشیں اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور اچھے طریقے سے تمہیں جدا کر دوں۔

سختہ الطلاق کی قانونی حیثیت

طلاق یافتہ عورتوں کی چار حالتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ بوقت نکاح ان کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور ہم بستری کے بعد ان کو طلاق دے دی جائے۔
دوسری یہ کہ مہر تو مقرر کیا گیا ہو لیکن ہم بستری سے پہلے ہی طلاق دے دی جائے۔

تیسری یہ کہ مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی جائے۔

چوتھی یہ کہ مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور ہم بستری کے بعد طلاق دی جائے۔

ان مختلف صورتوں میں متعہ کی قانونی حیثیت کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے:

پہلی رائے امام حسن بصریؒ کی ہے جن کے نزدیک متعہ ان تمام مطلقات کے لیے واجب ہے۔ ان کا استدلال وللمطلقات متاع بالمعروف سے ہے جو تمام مطلقات کے لیے عام ہے۔

دوسری رائے احناف اور شوافع کی ہے جن کے نزدیک اس عورت کے لیے تو متعہ واجب ہے جسے دخول سے قبل طلاق دی گئی ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، لیکن باقی تمام مطلقات کے لیے محض مستحب ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ایک یہ کہ قرآن مجید نے متعہ کا حکم خاص طور پر صرف اس مطلقہ کے لیے دیا ہے جس کا مہر طے نہ کیا گیا ہو اور دخول سے قبل اسے طلاق دے دی گئی ہو۔ ایسی عورتوں کے لیے یہ حکم قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ صیغہ امر متعوهن استعمال کیا گیا ہے جو کہ وجوب کی دلیل ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما
لن تمسوهن او تفرضوا لهن فریضۃ
ومتعوهن علی الموسع قدرہ وعلی
المقتدر قدرہ متاعا بالمعروف حقا
علی المحسنین (البقرہ ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنی ان بیویوں کو طلاق دو
جن سے تم نے تعلقات قائم کیے ہیں نہ ان کا مہر
مقرر کیا ہے۔ انہیں (رخصت کرتے ہوئے)
کچھ دے دو اور خوش حال اپنی گنجائش کے مطابق
اور تنگ دست اپنی گنجائش کے مطابق۔ دستور کے
مطابق کوئی تحفہ ہونا چاہئے جو احسان کرنے
والوں پر لازم ہے۔

سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم
المومنات ثم طلقتموهن من قبل ان
تمسوهن فمالکم علیہن من عدۃ
تعقلونہا فمتعوهن و سرحوہن
سراحا جمیلا (الاحزاب ۴۹)

اے ایمان والو، جب تم مومن عورتوں سے نکاح
کرو اور پھر تعلقات قائم کیے بغیر انہیں طلاق
دے دو تو ایسی صورت میں ان کے ذمے کوئی
عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرو۔ سو ان کو کچھ دے
دو اور اور شائستگی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔

دوسرے یہ کہ علی المومع قلدہ وعلی المقتدر قلدہ میں علی کا لفظ بھی الزام اور وجوب کے لیے ہے۔
تیسرے یہ کہ اس حکم کے آخر میں حقا علی المحسنین کے الفاظ بھی وجوب کی دلیل ہیں۔

چوتھے یہ کہ عقل و قیاس بھی اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ شریعت کی ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد نکاح میں عورت کو کوئی نہ کوئی مالی عوض ضرور ملنا چاہئے۔ چنانچہ نکاح کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبغوا ان عورتوں کے سوا باقی سب عورتوں سے مال
یا موالکم (النساء ۲۴) دے کر نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے۔

چونکہ عقد نکاح کو قبول کر کے عورت، خاوند کو استمتاع کا حق سونپ دیتی ہے، اس لیے نفس نکاح کے ساتھ ہی عوض لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگرچہ عملاً خاوند نے استمتاع نہ کیا ہو، عوض کی ادائیگی اس پر لازم ہو جاتی ہے۔
مطلقات کی باقی تین صورتوں میں یہ عوض مہر کی صورت میں، حسب ذیل تفصیل کے مطابق، عورت کو ادا کیا جاتا ہے:

اگر عورت کو مہر مقرر ہونے اور دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو تو اسے پورا مہر ملے گا۔

اگر مہر مقرر ہونے کے بعد اور دخول سے پہلے طلاق دی جائے تو اسے نصف مہر ملے گا۔

اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور دخول کے بعد طلاق دی جائے تو، از روئے حدیث، عورت کو مہر مثل ملے گا۔

اس اصول کی رو سے ضروری ہے کہ وہ عورت جس کو مہر مقرر کیے بغیر دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو، اسے بھی کوئی نہ کوئی عوض دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ایسی عورت کو متعہ دینے کی ہدایت کی ہے۔ چونکہ ایسی عورت کے لیے دوسرا کوئی عوض نہیں ہے، اس لیے اس کے لیے متعہ واجب ہے جبکہ باقی مطلقات کو چونکہ مہر کا پورا یا کچھ حصہ مل جاتا ہے، اس لیے ان کے حق میں متعہ صرف مستحب ہے۔ (۳)

وللمطلقات متاع بالمعروف سے امام حسن بصریؒ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے امام ابو بکر ابن العربیؒ اور امام بصاصؒ فرماتے ہیں کہ متاع کا لفظ عربی زبان میں ہر اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس سے کسی بھی قسم کا فائدہ اٹھایا جاسکے۔ چنانچہ جن عورتوں کو پورا یا نصف مہر مل جاتا ہے، ان کے لیے وہی متاع ہے اور جن عورتوں کو مہر نہیں ملا، ان کے لیے متاع کی صورت یہ ہے کہ خاوند اس کی دل جوئی کے لیے اس کو کوئی تحفہ پیش کرے۔ (۴)

تیسری رائے امام مالکؒ کی ہے جو کہتے ہیں کہ متعہ کسی بھی مطلقہ کے لیے واجب نہیں بلکہ سب کے لیے مستحب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں و متعوا من حکم استحباب کے لیے ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ

(۳) ابن قدامہ، المغنی، ج ۷، ص ۱۸۳، ۱۸۴

حفا علی المحسنین کا جملہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ متعہ کا یہ حکم قانونی طور پر نہیں بلکہ احسان اور تقویٰ کے لحاظ سے لازم ہے۔ (۵)

مذکورہ قانونی بحث سے قطع نظر اتنی بات واضح ہے کہ قرآن مجید نے متعہ کا حکم نہایت تاکید اور اہتمام سے بیان فرمایا ہے اور قانونی لحاظ سے نہ کسی لیکن اخلاقی لحاظ سے اس کا درجہ وجوب ہی کا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی "حفا علی المحسنین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اور آیت ۲۳۶ میں مطلقہ عورتوں کو دے دیا کر رخصت کرنے کی جو ہدایت فرمائی تھی، آخر میں یہ پھر اس کی یاد دہانی کر دی اور اس کو اہل تقویٰ پر ایک حق قرار دیا۔ جو حقوق صفات و کردار پر مبنی ہوتے ہیں، بعض حالات میں وہ اس دنیوی زندگی میں تو قانون کی گرفت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں لیکن خدا کے ہاں ان صفات کے لیے وہ حقوق ہی معیار بنیں گے۔ اگر ایک چیز مؤمنین یا محسنین پر حق قرار دی گئی ہے تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ اسلام کا قانون اس دنیا میں اس کی خلاف ورزی کرنے والوں پر کوئی گرفت نہ کرے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آخرت میں بھی ان کی خلاف ورزی پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ آخرت میں آدمی کا ایمان یا احسان یا تقویٰ انہی حقوق کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کے اعتبار سے وزن دار یا بے وزن ٹھہرے گا۔" (۶)

متعہ کی مقدار

متعہ کی مقدار کی تعیین میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں:

ابن عمر فرماتے ہیں کہ متعہ کی مالیت کم از کم تیس درہم ہونی چاہیے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ متعہ کی اعلیٰ ترین صورت خادم ہے، اس کے بعد کپڑے اور اس کے بعد نفقہ۔

عطاء فرماتے ہیں کہ درمیانے درجے کے متعہ میں قمیص، دو پٹہ اور چادر شامل ہونے چاہئیں۔

حسن بن علیؑ نے متعہ کے طور پر بیس ہزار روپے اور شہد کے کچھ تھیلے اپنی مطلقہ کو دیے۔

قاضی شریح نے متعہ کے طور پر پانچ سو درہم دیے۔ (۷)

یہ تمام تعینات اپنے اپنے محل میں درست ہیں کیونکہ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ متعہ کی نوعیت اور مقدار

(۵) ابن رشد، بدلیۃ الجہد، ج ۲، ص ۷۳

(۶) تہذیب قرآن، ج ۱، ص ۵۵۶

(۷) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۲۰۱، ۲۰۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۲۸۸، ۲۸۹

کے باب میں کوئی چیز از روئے شریعت متعین نہیں ہے، بلکہ اس کا تعین مقامی رواج اور خاوند کے مالی حالات کے لحاظ سے کیا جائے گا:

انہیں (رخصت کرتے ہوئے) کچھ دے دلا دو،
خوش حال اپنی گنجائش کے مطابق اور تنگ دست
اپنی گنجائش کے مطابق۔ دستور کے مطابق کوئی تخذ
ہونا چاہئے جو احسان کرنے والوں پر لازم ہے۔

فمتمعوہن علی الموسع قدرہ و علی
المقتدر قدرہ متاعا بالمعروف
(البقرہ ۲۳۶)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حسن کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنی گنجائش کے مطابق
متعہ دے۔ کوئی خادم کی صورت میں، کوئی زیادہ
کپڑوں کی صورت میں، کوئی ایک کپڑے کی
صورت میں اور کوئی نفلتے کی صورت میں۔ امام
مالک بھی یہی فرماتے ہیں اور قرآن کا مدعا بھی
یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مقدار اور
نوعیت متعین نہیں کی بلکہ فرمایا ہے کہ فراغ دست
اور تنگ دست اپنی اپنی گنجائش کے مطابق دیں۔
(۸)

وقال الحسن: يتمتع كل بقدره، هذا
بحداد و هذا بالثواب و هذا بثوب
و هذا بنفقة، و كذلك يقول مالك بن
انس، و هو مقتضى القرآن فان الله
سبحانه و تعالى لم يقدرها ولا
حددها و انما قال "علی الموسع
قدرہ و علی المقتدر قدرہ"